شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ **رحیمیہ** لاہور

مجلس ادارت

سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن

صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی

مدیر: محمد عباس شاد

بانی: حضرت اقدس مولانا **شاہ سعید احمد** رائے پوریؒ مسند نشین رابع خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مدیرِ اعلیٰ: حضرت اقدس مولانا **مفتی عبدالخالق آزاد** رائے پوری جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ

مارچ 2019ء / جمادی الاخریٰ، رجب المرجب 1440ھ جلد نمبر 11، شمارہ نمبر 3 - قیمت: 20 روپے سالانہ ممبر شپ: 200 روپے تین سالہ ممبر شپ: 500 روپے

ترتیبِ مضامین

- زندگی کی آسائشات؛ اللہ ہی کے انعامات ہیں
- علمائے حق اور علمائے سُو میں فرق
- حضرت اُمِ عطیہ بنت الحارث الانصاریہؓ
- جماعتوں پر ''مافیاز'' کیسے قابض ہو جاتے ہیں؟
- مفہوم اور سچائی سے عاری بیانات کی حقیقت
- خاندانی نظام میں حُسنِ معاشرت کی اہمیت
- خُلفائے راشدینؓ کی حکومت؛ انسان دوست حکومت کا ماڈل
- نظام کی تبدیلی
- یورپین اتحاد کا برطانیہ سے اعلانِ لاتعلقی
- ریاستِ مدینہ کی تشکیل؛ بنیادی اُصول
- کُفر اور غلامی پر مبنی ریاستی نظام کا خاتمہ
- عدل کی روح اور قیام کے تقاضے
- ریاستِ مدینہ کے چار بنیادی اُمور
- شیخ ابوالسراج مولانا خلیفہ غلام محمد دین پوریؒ
- ملفوظات حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ
- ادارہ رحیمیہ لاہور میں نمازِ فجر کے بعد درسِ قرآن حکیم کا آغاز
- ادارہ رحیمیہ لاہور میں تقریبِ تکمیل بخاری شریف
- دینی مسائل

ارشادِ گرامی

حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ

مسند نشینِ ثانی خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

''ہمارے حضرات کا (سیاسی) مسلک خود حضرت (عالی شاہ عبدالرحیم رائے پوری) رحمۃ اللہ علیہ سے جو کچھ ہم نے سُن اور دیکھ رکھا ہے اور اس سے پہلے قرآن شریف کے استاد (حضرت مولانا کلیم اللہ) اور پھر دیگر اساتذہ کا جو اثر پڑا، اس سے جو (سیاسی) ذہن میرا بنا ہے، اس (کے تقاضوں پر عمل کرنے) میں مَیں مجبور ہوں۔

اس لیے لیگ سے مجھے کوئی مناسبت نہیں ہوئی، بلکہ ہمیشہ ان لوگوں کے خلاف ہی ذہن رہا۔ جو ذہن پچاس سال میں میرا بن گیا ہے، وہ لیگ کے خلاف ہے۔ ان کی کوئی بات مجھے صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ خواہ ہمارے بعض حضرات کو اچھا لگے یا نہ لگے، مَیں اب معذور ہوں۔''

(مجلس: ۵/رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ/ 3/اگست 1946ء، مقام: رائے پور)

(ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص 121، طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئنیز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور

0092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org

Email: info@rahimia.org

رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جا سکتا ہے۔

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

رقومات کی ترسیل بنام ''ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ ٹرسٹ لاہور'' اکاؤنٹ نمبر **0010030341820010** الائیڈ بینک مزنگ چونگی برانچ لاہور، برانچ کوڈ **0533**

www.rahimia.org

درسِ قرآن

تفسیر: شیخ التفسیر مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

زندگی کی آسائشات؛ اللہ ہی کے انعامات ہیں

الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۪ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِہٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰہِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (22:2)

(جس نے بنایا تمھارے واسطے زمین کو بچھونا، اور آسمان کو چھت، اور اُتارا آسمان سے پانی، پھر نکالے اس سے میوے، تمھارے کھانے کے واسطے۔ سو نہ ٹھہراؤ کسی کو اللہ کے مقابل اور تم تو جانتے ہو۔)

گزشتہ آیت میں تمام انسانوں کو مخاطب کر کے کہا گیا تم اپنے ربّ کی عبادت کرو اور اسی کے احکامات کی پاسداری کرو۔ ربّ کا تعارف کراتے ہوئے کہا گیا کہ تمھیں اور تم سے پہلے لوگوں کو اُسی نے پیدا کیا ہے۔ اس آیت مبارکہ میں تخلیقِ انسانیت کے بعد انسانوں کو جن چیزوں کی ضرورت ہے، انھیں پورا کرنے کے لیے اللہ کے انعامات پر مشتمل عالم گیر نظام کا ذکر ہے۔ اس لیے عبادت اُس ذاتِ باری تعالیٰ کا حق ہے۔

الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً: اللہ وہ ذات ہے، جس نے تمھارے لیے زمین پر رہنے کا انتظام کیا اور تمھاری حفاظت کے لیے آسمان پر مشتمل ایک وسیع نظام بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ انسانیت امن و امان کے ساتھ اس کرۂ ارض پر زندگی بسر کر رہی ہے۔ انسانوں کی دو بنیادی ضرورتیں ہوتی ہیں: ایک یہ کہ وہ امن و امان اور عدل و انصاف کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ دوسرے یہ کہ اُن کے پاس اتنے وافر وسائل ہوں، جو اُن کی معاشی احتیاجات کی تسکین کریں۔ چناں چہ اس آیت میں پہلے انعامِ الٰہی کا تذکرہ کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انسانوں کے لیے پُرامن اور پُرسکون زندگی بسر کرنے کا انتظام کیا ہے۔ کرۂ ارض کو تمھارے لیے بچھا دیا گیا ہے، جس پر تم بہت اطمینان سے چلتے پھرتے ہو۔ سطحِ زمین دلدلی صورت میں نہیں، بلکہ ٹھوس ہے۔ تم اس میں دھنستے نہیں ہو۔ اس پر بڑے اعتماد سے عمارات بناتے ہو۔ عمدہ اور خوب صورت گھروں میں پُرسکون زندگی بسر کرتے ہو۔ اللہ نے ہی تمھارے لیے ایک آسمانی نظام تخلیق کیا، جو تمھاری جسمانی ساخت کے مطابق کرۂ ارض پر ایسی توانائیاں بکھیرتا ہے، جس سے تم بہت اطمینان کے ساتھ رہتے ہو۔ سورج کی شعاعوں کے زہریلے اثرات سے کئی آسمانی تہیں تمھاری حفاظت کرتی ہیں۔ اس کرۂ ارض پر انسانی تحفظ کا ایک مربوط اور عالم گیر نظام ذاتِ باری تعالیٰ نے قائم کیا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے: ''یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ'' (5:32) (وہی اللہ آسمان سے زمین تک تمام امور کا نظم و نسق چلاتا ہے۔) وہی ذات ہے جو کائنات کی عالم گیر مملکت میں عدل و انصاف اور امن و امان کا نظام قائم رکھے ہوئے ہے۔ اس لیے تم پر لازم ہے کہ ایسے عالم گیر انعامات عطا کرنے والی ذات کی عبادت کرو، اسی کی حکمرانی کو تسلیم کرو اور اسی کے احکامات کے مطابق انسانی معاشرے میں عدل و انصاف اور امن و امان پر مبنی نظام قائم کرو۔

وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِہٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ: انسان کی دوسری ضرورت معاشی وسائل کا حصول ہے، جس سے وہ اپنی احتیاجات کی تسکین کر سکے۔ اللہ ہی وہ ذات ہے، جس نے کرۂ ارض کو امن و اطمینان کی جگہ بنایا اور پھر اُس میں تمھارے لیے کھانے پینے اور معاشی ضروریات پورا کرنے کے وسائل رکھے۔ زمین پر انسانوں کی معاشی ضروریات میں پانی سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ اللہ ہی ہے جو آسمان سے پانی برساتا ہے۔ اُسی نے تمھارے لیے پانی کی فراہمی کا ایک بہترین نظام قائم کیا ہے۔ ایک موسم میں بارش اور برف باری کا نظام حرکت میں آتا ہے، جس سے پہاڑوں پر پانی برسایا جاتا اور برف کو تہہ بہ تہہ ذخیرہ کیا جاتا ہے۔ گرمیوں کے موسم میں یہی پانی دریاؤں میں بہتا ہوا تم تک پہنچتا ہے۔ اس کے ذریعے سے زمین سیراب ہوتی ہے۔ اُس سے انسانی ضروریات کے لیے فصلیں اُگتی ہیں، پھل لگتے ہیں، پھول کھلتے ہیں، درخت اُگتے ہیں، سرسبز و شاداب میدان وجود میں آتے ہیں، معدنیات و نباتات اور حیوانات نشو و نما پاتے ہیں۔ زمین پر پانی کے برسنے سے پیدا ہونے والے حاصلات اور ثمرات تمھارے لیے معاشی وسائل کی صورت میں وجود میں آتے ہیں۔ یہ وسائل انسانوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے کام آتے ہیں۔ تم انھیں اپنی معاشی ضروریات کے لیے استعمال میں لاتے ہو۔ ان اشیا میں موجود غذائی افادیت کو بھوک پیاس مٹانے کے لیے استعمال میں لاتے ہو، دیگر اشیا سے عمارات بناتے ہو، لباس بناتے ہو۔ غرض! پانی تمھاری زندگی کے لیے تعمیرِ حیات اور نشو و نما کا سبب بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے: ''وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ط'' (30:21) (بنائی ہم نے پانی سے ہر ایک چیز، جس میں زندگی ہے)۔ تمھاری معاشی ضروریات پورا کرنے کے لیے وسائلِ معاش کا ایسا بہترین عالم گیر نظم و نسق اُسی ذات کا انعام ہے۔ اس انعامِ الٰہی کا لازمی تقاضا ہے کہ تم اُسی کی عبادت کرو اور اُس کا حق ادا کرو۔

فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰہِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ: صرف اُسی اللہ کی عبادت کرو، اُس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ۔ اس کائنات کا واحد حکمران اور نظم و نسق قائم کرنے والا صرف اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔ تمھارے لیے آرام دِہ اور امن و اطمینان کے حامل زمین و آسمان بنانے اور پھر پانی برسا کر تمھاری معاشی ضروریات کی تسکین میں اُس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ یہ سب کچھ جان لینے کے بعد اللہ کے ساتھ کسی اَور طاقت اور قوت کو قطعی طور پر شریک مت کرو۔ شرک بہت بڑا گناہ ہے۔ ارشادِ ربانی ہے: ''اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ'' (13:31) (بے شک اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا بہت بڑا ظلم ہے۔) حکمرانی میں کسی دوسرے کو شریک ٹھہرانا نظم و نسق کی تباہی و بربادی کا باعث ہوتا ہے۔ کائنات کا نظم و نسق خوب اچھی طرح چلنا یقینی طور پر اللہ تعالیٰ کی حکمرانی کا مظہر ہے۔ اس لیے اُس شہنشاہِ مطلق کی دی گئی ہدایات کے مطابق زندگی بسر کرو۔ اُس نے جو فرامین جاری کیے ہیں، اُن پر عمل کرو۔ تم بھی اُسی کے ساتھ اپنا تعلق جوڑتے ہوئے انسانی معاشرے کے لیے ایسا ہی عدل و انصاف، امن و امان اور معاشی خوش حالی کا نظام قائم کرو۔

www.rahimia.org

درسِ حدیث

از: مولانا ڈاکٹر محمد ناصر، جھنگ

علمائے حق اور علمائے سُو میں فرق

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: ''یُوشَکُ أَنْ یَّاتِیَ عَلَی النَّاسِ زمان . . . . عُلَمَائُھُمْ شَرٌّ مَنْ تَحْتَ أَدِیْمِ السَّمَاءِ، مِنْ عِنْدِھِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَۃُ وَ فِیْھِمْ تَعُوْدُ.''

(حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جلد ہی لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ ......ان کے علما آسمان کے نیچے شریر ترین مخلوق ہوں گے۔ انھیں سے فتنے نکلیں گے اور انھیں میں واپس لوٹ جائیں گے۔) (مشکوٰۃ المصابیح، حدیث نمبر 257)

اس حدیثِ مبارک میں رسول اللہؐ فرماتے ہیں کہ ایک وقت اُمت پر ایسا آ سکتا ہے کہ ان کے علما اپنے فکر و عمل کی وجہ سے اس دنیا میں سب سے شریر ترین مخلوق ہوں گے کہ ان کے ذریعے فتنے جنم لیں گے اور پھر وہی فتنے انھیں اپنی لپیٹ اور گرفت میں لے لیں گے۔ قرآن و سنت میں ہمیں اہلِ علم اور علمائے ربانیین کے بارے میں تعریفی کلمات اور ان کی اطاعت اور فرماں برداری کا حکم ملتا ہے۔ علمائے حق کو انبیاؑ کا وارث قرار دیا گیا ہے، جب کہ اس حدیثِ مبارک میں رسول اللہؐ نے ایک دوسرا پہلو بیان فرمایا ہے۔ یہ اَور اس جیسی دوسری احادیث سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ انبیاؑ کے حقیقی وارث وہ ہوتے ہیں، جو جامع صفات کے حامل ہوں۔ وہ خدا پر غیر متزلزل یقین کے ساتھ حریتِ فکر رکھتے ہوں۔ شریعت کا مکمل علم اور فقیہانہ اسلوب رکھتے ہوں۔ عصرِ حاضر کے تقاضوں سے آگاہ ہوں اور مسائل کا حل فہم و فراست سے بیان کرتے ہوں۔ وہ اہلِ دنیا سے بیزار ہوں اور اہلِ دنیا ان سے بیزار ہوں۔ مخالفین کی مخالفت سے بے خوف اور نفع و نقصان کے غم سے آزاد ہوں۔ غلبہ دین اور انسانی حقوق کو قائم کرنے کے لیے سرگرم ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان علمائے ربانی کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں۔

زیرِ بحث حدیث میں علمائے سُو کے بارے میں بتلایا گیا ہے کہ انسانی معاشرے انھیں کی وَجہ سے فتنوں میں مبتلا ہوں گے اور پھر اُن کے پیدا کردہ یہی فتنے ایسے علمائے سُو کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیں گے۔ انھوں نے انسانیت کے لیے جو ظلم و زیادتی کا گڑھا کھودا ہوتا ہے، خود اُسی میں گرتے ہیں۔ اُن فتنوں کا وہ شکار ہو جاتے ہیں۔ یہ وہ علمائے سُو ہوتے ہیں، جو دین فروشی کا کردار ادا کرتے ہیں۔ اُن میں یہودیوں کے احبار و رہبان کی خصلتیں در آتی ہیں۔ وہ سطحی علم رکھتے ہیں۔ حریتِ فکر اُن میں نہیں ہوتی۔ دُنیاوی اغراض اُن پر غالب آجاتی ہیں۔ وہ ظالم قوتوں کے مددگار ہوتے ہیں، ان کی ترجیحات کے مطابق فتوے دیتے اور دین کی تشریح کرتے ہیں۔ عصری تقاضوں سے بے خبر اور غلبہ دین کے نظریے سے دور بھاگتے ہیں۔ دنیادار اور بے دین لوگ دین کے نام پر علما کی پشت پناہی سے اپنا مفاد حاصل کر لیں۔

ایسے ہی علما کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا کہ: ''لوگ جاہلوں کو عالم سمجھ کر اپنا امام مان لیں گے۔ لوگ ان سے دینی رہنمائی کے طلب گار ہوں گے، مگر وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔'' اس لیے اس دور کی سب سے بڑی ضرورت علمائے سُو سے بچنا اور علمائے حق سے وابستہ ہونا ہے۔

صحابہؓ کا ایمان افروز کردار

مولانا قاضی محمد یوسف، حسن ابدال

حضرت اُمِّ عطیہ بنت الحارث الانصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت اُمِ عطیہ بنت الحارث الانصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اصل نام نُسَیبہ ہے، جب کہ اپنی کنیت ''اُمِّ عطیہ'' سے مشہور ہیں۔ آپؓ کا شمار جلیل القدر صحابیاتؓ میں ہوتا ہے۔ آپؓ سابقینِ اوّلین، عالمہ، فاضلہ، طبیبہ ہیں۔ آپؓ ہجرتِ مدینہ سے پہلے ۱۲/ بعثتِ نبویؐ میں مسلمان ہوئیں۔ حضورؐ کی ہجرت کے بعد خواتین کی پہلی بیعت میں — جو حضرت عمرؓ بن خطاب کے ذریعے ہوئی — شامل تھیں۔ آپؓ نے حضور اقدسؐ کے ساتھ سات غزوات میں شرکت کی، جن میں مجاہدین کو پانی پلانے اور مرہم پٹی کرنے، کھانے کا انتظام کرنے اور بیماروں کی تیمارداری کرنے کی ذمہ داریاں بہ خوبی انجام دیں۔ کجاووں اور دیگر سامان کی دیکھ بھال اور مصیبت زدوں کی نگہداشت کرتیں اور یہ سب امور بڑی مستعدی اور شوق سے انجام دیتی رہیں۔ گویا آپؓ عہدِ رسالت میں ابتدائی طبی کیمپ کی خدمات ادا کرنے والی ٹیم کے حصے کے طور پر سماجی کام کرتیں۔ آپؓ مدینہ منورہ میں خواتین میں اس اہم اور ضروری خدمت کی عملی تعلیم بھی دیتی تھیں۔

حضرت اُمِ عطیہؓ نے حضور اکرمؐ کی دونوں بیٹیوں سیّدہ زینبؓ اور سیّدہ اُم کلثومؓ کی وفات پر آپؐ کی رہنمائی میں دیگر خواتین کے ساتھ مل کر ان کو غسل دیا۔ آپؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ نے ہمیں فرمایا: ''دائیں جانب اور مقاماتِ وضو سے شروع کرو اور طاق بار غسل دو۔'' غسل کے بعد آپؐ نے اپنا تہبند ہماری طرف پھینک دیا اور فرمایا: ''سب سے پہلے اسے پہنا دو (برکت کے طور پر)۔'' گویا حضرت اُمِ عطیہؓ نے غسلِ میت کی تعلیم و رہنمائی حضورؐ سے باقاعدہ حاصل کی۔ اسی لیے بڑے بڑے صحابہؓ اور تابعینؒ آپؓ سے اس کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ حضرت اُمِ عطیہ انصاریہؓ حضور اقدسؐ کی مکمل تابع داری کرتیں اور کوئی کام بھی اجازتِ نبویؐ کے بغیر نہ کرتیں۔ علم و فضل کے اعتبار سے بھی آپؓ کا شمار عالمات میں ہوتا تھا۔ آپؓ نے حضرت عمرؓ سے 41 احادیث روایت کی ہیں۔ حضرت انسؓ اور حضرت حفصہ بنت سیرینؒ وغیرہ آپؓ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ حضرت اُم عطیہؓ فرماتی ہیں کہ: ''ہم کو اس بات کا حکم دیا گیا تھا کہ عید کے دن ماہواری والی عورتوں اور پردے میں بیٹھنے والیوں کو بھی عیدگاہ لے جائیں، تاکہ وہ مسلمانوں کی جماعت اور دعاؤں میں حاضر ہوں۔'' (مشکوٰۃ المصابیح) خواتین اس اجتماع میں شریک ہوں اور انھیں اذکار، وعظ و نصائح اور خطبے سے علم و شعور اور اَخلاق و معرفت حاصل ہو۔ حضرت اُم عطیہؓ حضورؐ اور اہلِ بیت سے قلبی محبت رکھتی تھیں۔ آپؓ نے علمِ حدیثِ نبویؐ کی خدمات اور علمِ فقہ میں رہنمائی اور بہترین اجتماعی کردار کی تاریخ چھوڑی ہے۔ آپؓ عہدِ خلافتِ راشدہ تک زندہ رہیں اور مستقل قیام بصرہ میں کر لیا اور وہیں وفات ہوئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کی طرح خواتینِ اسلام میں بھی محبتِ رسولؐ کا بے پناہ جذبہ موجزن تھا کہ مشکل وقت اور جنگی حالات میں بھی بلاخوف و خطر دینِ حق کے غلبے سے سرشار اپنی بساط کے مطابق میدان میں جماعتِ رسول اللہؐ کی ایک خاتون ممبر کی حیثیت سے بھرپور شرکت کرتی تھیں۔

www.rahimia.org

شذرات

جماعتوں پر ''مافیاز'' کیسے قابض ہوجاتے ہیں؟

یہ ایک بہت ہی سادہ سی حقیقت ہے کہ کسی بھی معاشرے میں بُرائی یا جرم پر کسی اجتماعیت کے قیام کی دعوت نہیں دی جاتی، یعنی اگر کوئی شخص معاشرے میں قتل و غارت، زنا، چوری، ڈاکے یا جھوٹ پر لوگوں کو دعوت دے کہ آؤ ہمارے ساتھ مل کر قومی سطح کی ایک مضبوط جماعت بناؤ، تاکہ اجتماعی طور پر ہم معاشرے میں مذکورہ بالا جرائم کو اختیار کریں تو اسے قطعاً اور ہرگز کامیابی نہیں ملے گی۔ نہ ہی آج تک دنیا کے کسی خطے میں انسانوں نے مل کر کوئی ایسی بات یا قرارداد پاس کروائی ہے کہ ہم مل کر جھوٹ بولیں گے، یا کسی کو ناحق قتل کریں گے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ پیشہ ور ڈاکوؤں اور جرائم پیشہ لوگوں کے گروہ کبھی بھی چند سو افراد سے تجاوز نہیں کرسکے۔ ایسا کیوں نہیں ہوسکا؟ اس لیے کہ انسانیت کی اجتماعی فطرت اس کو قبول نہیں کرسکتی۔ وہ عدل، سچائی، بھلائی، عبادت، طہارت کے اجتماعی نظریے پر تو اجتماعیت قائم کرسکتے ہیں، لیکن گناہ، ظلم، جھوٹ کے انفرادی نظریے پر کسی اجتماعیت کو قبول نہیں کیا جاسکتا۔

دراصل ہوتا یوں ہے کہ جب معاشرے زوال پذیر ہوجاتے ہیں، فکری اور شعوری انحطاط عام ہوجاتا ہے تو چالاک اور چابک دست لوگ نیکی و بھلائی پر قائم جماعتوں میں جا گھستے ہیں اور انھیں اپنے ڈھنگ پر لے آتے ہیں، یا پھر اپنا گروہ بنانے کے لیے آزادی، جمہوریت اور عدل کے نام پر سادہ لوح لوگوں کو جمع کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں اور پھر جب وہ لیڈر پبلک میں آتے ہیں تو خدمت، بے غرضی، بے نفسی، جرأت، سچائی اور نیکی کی باتیں کرتے ہیں۔ حقیقت میں یہ چوروں اور ڈاکوؤں کا گروہ ہوتا ہے، لیکن نیکی، بے نفسی اور خدمت کے سلوگن کو ہتھیار کے طور پر استعمال کرکے طاقت وقوت حاصل کرنے کے بعد برائی اور جرائم کے وہ سارے کام کیے جاتے ہیں، جن کا نام لے کر وہ اپنا گروہ یا جماعت نہیں بنا سکتے تھے۔ پھر وہ اپنے گروہ کو مضبوط کرنے کے لیے ہر طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں۔ رفاہِ عام کے نام پر اداروں کے ذریعے کرپشن اور مریضوں کے لیے خریدی گئی ایمبولینس میں اسلحہ تک بھی منتقل کیا جاتا ہے۔ نظریے اور حق کے نام پر لوگ قتل بھی کیے جاتے ہیں۔ گویا خدمت اور سیاست کے نام پر ہر قسم کے جرم کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ انسانی تاریخ بتاتی ہے کہ پست فطرت افراد نے مذہب، خدا، ملک، نسل، نیکی اور تقدس کے نام پر بے شمار انسانوں کو قتل کروایا۔

ہمارے ملک میں جمہوریت، خدمتِ خلق کے نام پر قائم بعض سیاسی جماعتوں کے افراد کی کرپشن، بدعنوانی اور جرائم کی سرپرستی کے حوالے سے جو تفصیلات منظر عام پر آئی ہیں، ان جرائم کو سرانجام دینے میں ان کی ذہانت، ٹیکنیکس اور چابک دستی کے سامنے دنیا کے معروف منفی کرداروں جیسے بنارسی ٹھگ، ڈان اور گارڈ فادر کی عقلیں بھی شرمندہ نظر آتی ہیں۔ سچائی، عدل، خدمت اور ہمدردی پر نہ صرف ملکوں کی سطح پر ''مافیاز'' قومی جماعتوں کے نام سے پائے جاتے ہیں، بلکہ بین الاقوامی سطح کے استحصالی ادارے اقوامِ متحدہ سے لے کر آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک تک بھی اسی تکنیک کو استعمال کرتے ہوئے نیکی اور خوش حالی کے نام پر بدی اور استحصال کا محور بنے ہوئے ہیں۔ آج اس آزمائش پر ایسی قومی جمہوری جماعت ہی پورا اُتر سکتی ہے، جو دعوے اور عمل کے تضاد سے پاک ہو۔

مفہوم اور سچائی سے عاری بیانات کی حقیقت

حکومت اور اپوزیشن میں موجود لیڈروں کے میڈیا میں روزانہ دیے جانے والے بیانات الفاظ کے تقدس اور مفہوم کو مجروح کرتے اور بے روح اور کھوکھلے ہوتے ہیں۔ ان کا عملی نتائج اور حقائق کی دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس سچائی کو آپ آج کی متحدہ اپوزیشن اور حکومت کے بیانات کے آئینے میں بہ خوبی دیکھ سکتے ہیں، جو روزانہ ہمارے قومی اخبارات کی زینت بنتے ہیں۔ یہ کوئی اس دور کا ہی خاص معاملہ نہیں ہے، بلکہ تاریخ کا جھروکا ہمارے سامنے ہمارے حکمران طبقوں کے بیانات کی قلعی کھولتا ہے۔

ہندوستان کی فنانس منسٹری میں سکریٹری براج کمار نہرو (1909-2001ء) پاکستان میں اپنے ہم منصب چودھری محمد علی (1905-1980ء) کے ساتھ دونوں ملکوں کے درمیان مالی معاملات طے کرنے کے لیے 1948ء میں کراچی آئے۔ وہ اپنے قیامِ کراچی میں مسلم لیگ کا نمائندہ اخبار ''ڈان'' پڑھتے تھے۔ اس میں اکثر اس قسم کی خبریں چھپتی تھیں کہ: ''ہندوستان میں مسلمانوں کا قتلِ عام کیا جارہا ہے۔ وہاں مسلمانوں اور اسلام دونوں کا وجود خطرے میں ہے۔'' مسٹر بی کے نہرو نے چودھری محمد علی سے کہا کہ ''تمھارے اخبارات روزانہ جھوٹی خبریں چھاپتے ہیں اور تم ان کے جھوٹ پر کوئی ایکشن نہیں لیتے۔'' چودھری محمد علی نے کہا: ''مسٹر نہرو! یہ ہماری قومی ضرورت ہے۔ ہمیں اس نازک وقت میں ایک خارجی دشمن کی ضرورت ہے جو ہمیں متحد رکھ سکے۔'' بی کے نہرو نے کہا کہ: ''پھر تم جھوٹ کب تک چلاؤ گے؟'' چودھری محمد علی نے کہا: ''صرف پانچ سال تک، اس کے بعد اس کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔''

اسی طرح 1971ء کی پاک بھارت جنگ کے بعد پاکستان کے صدر ذوالفقار علی بھٹو اور ہندوستان کی وزیر اعظم اندرا گاندھی کے درمیان ''شملہ معاہدہ'' ہوا، جس میں دونوں ملکوں نے تصادم اور مخالفت کی روش کو ترک کرکے برصغیر میں پائیدار امن کے قیام کے لیے دوستی اور رواداری کے جذبے سے کام کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اسی اثنا میں اندرا گاندھی نے بھٹو سے کہا کہ: آپ تو اپنی قوم کے سامنے ایک ہزار سال تک لڑنے کے بیانات دیتے رہے ہیں، اس کا کیا ہوگا؟ تو بھٹو نے کہا کہ: ''آپ جانتی ہیں ایسے بیانات کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ ایسے بیان محض عوام کو خوش کرنے کے لیے دیے جاتے ہیں۔''

ان دو تاریخی واقعات سے ہماری نام نہاد قیادت کی ذہنیت کو سمجھنا کوئی مشکل امر نہیں رہتا۔ ہماری قومی تاریخ میں ڈھونڈنے سے ایسی سینکڑوں مثالیں مل جائیں گی، جن میں ہماری نام نہاد لیڈرشپ کا عوام سے تعلق محض دھوکے اور فریب کا رہا ہے۔ وہ اپنے مفادات اور ضرورتوں کے لیے عوام کے جذبات سے کھیلتے اور مذہب، سیاست اور قومی عصبیت پر مبنی خواب دکھاتے رہتے ہیں۔ (مدیر)

www.rahimia.org

خاندانی نظام میں حُسنِ معاشرت کی اہمیت

مترجم: مفتی عبدالخالق آزادرائے پوری

(امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ارتفاقِ دوم میں "باب تدبیر المنزل" کے عنوان کے تحت خاندانی اور گھریلو نظام کے چار بنیادی اساسی امور کی نشان دہی کی ہے۔ تین امور یعنی (۱) شادی کی ضرورت، (۲) اولاد کی پرورش اور (۳) گھریلو ملازمین کی ذمہ داریوں کا ترجمہ گزشتہ شماروں میں آچکا ہے۔ اس شمارے میں خاندانی نظام کا چوتھا پہلو "لوگوں کے درمیان باہمی اُلفت اور حسن معاشرت" کا بیان ہے۔ مترجم)

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ "حُجّةُ اللّٰہِ البالِغہ" میں فرماتے ہیں:

(۴۔ لوگوں کے درمیان باہمی اُلفت اور حسن معاشرت)

"بسا اوقات ایسا اتفاق ہوجاتا ہے کہ انسانوں کو کچھ ضرورتیں اور مصیبتیں پیش آجاتی ہیں، مثلاً کسی کو کوئی پیچیدہ یا وقتی مرض لاحق ہوجاتا ہے، یا اُس پر کسی کا کوئی حق دینا لازم ہوگیا، یا ایسی ضروریات اور حاجات پیش آجاتی ہیں کہ اُن کی موجودگی میں انسان اپنے کاموں کو درست طور پر سرانجام نہیں دے سکتا۔ ان تمام صورتوں میں دوسرے انسانوں سے تعاون حاصل کرنے کی ضرورت پیش آجاتی ہے۔ اس طرح کے معاملات میں تمام انسان برابر ہوتے ہیں (یعنی کسی پر بھی ایسے حالات آسکتے ہیں)۔

ایسی صورت میں لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے کہ اُن کے درمیان باہمی اُلفت کا ایسا نظام قائم ہو، جو ہمیشہ جاری رہے۔ جو آدمی مدد چاہتا ہو، اُس کی بھرپور مدد کی جائے۔ جو مصیبت زدہ ہو، اس کے ساتھ پورا تعاون کیا جائے۔ یہ تمام امور اُن کے درمیان ایسے طریقۂ کار اور نظام کے تحت قائم ہونے چاہئیں کہ ان حقوق کی ادائیگی کا اُن لوگوں سے مطالبہ کیا جائے اور اگر وہ یہ حقوق نہ ادا کریں تو اس پر اُن کو بُرا بھلا کہا جاسکتا ہو۔

[انسانی احتیاجات کے دو دائرے] انسانی ضرورتوں کو پورا کرنے کے دو دائرے ہوتے ہیں: پہلا دائرہ یہ ہے کہ وہ ضرورت تبھی پوری ہوسکتی ہے کہ ہر شخص دوسرے کے نفع اور نقصان کو اپنا نفع اور نقصان سمجھے۔ نیز وہ حاجت تبھی پوری ہوسکتی ہے کہ ہر آدمی دوسرے کی مدد کرنے میں اپنی پوری طاقت خرچ کرے اور دوسرے کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے لازمی طور پر اُسے اپنا مال خرچ کرنا چاہیے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایسے امور دونوں جانبین سے ایک دوسرے پر لازم ہوتے ہیں، تاکہ (اس اصولِ شرعی) "الغُرم بالغُنم" کے مطابق ہو، یعنی اگر ایک وقت میں کسی انسان نے کسی دوسرے انسان کی ضرورت کے لیے مال خرچ کیا تو وہ بھی اُس کی ضرورت اور مصیبت کے وقت اُس پر مال خرچ کرے۔ انسانی معاشرے میں یہ دائرہ زیادہ تر رشتہ داروں کے درمیان قائم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اُن کے درمیان آپس کی محبت اور ایک دوسرے کے ساتھ میل جول طبعی اور فطری طور پر ہوتا ہے۔

انسانی احتیاجات کو پورا کرنے کا دوسرا دائرہ (رشتہ داروں کے علاوہ دیگر تمام انسانوں تک پھیلا ہوتا ہے۔ یہ دائرہ) پہلے دائرے سے کم درجے کا ہوتا ہے۔

جب انسانی ضرورتوں کو پورا کرنے کے یہ دو دائرے ہوئے تو لازم ہے کہ لوگوں کے درمیان حاجت مندوں سے ہمدردی کرنے کا ایک طے شدہ طریقۂ کار ہو۔ اس معاملے میں صلہ رحمی کو زیادہ تاکید اور شدت کے ساتھ لازمی قرار دیا گیا ہے۔

(۵۔ خاندانی نظام کے بنیادی مسائل)

اس فن (خاندانی و گھریلو نظام) کے بنیادی مسائل درجِ ذیل ہیں:

(1) شادی کرنے نہ کرنے کا تقاضا کرنے والے اسباب اور امور سمجھنا۔
(2) شادی کے طریقۂ کار اور سنت کو جاننا۔
(3) ایک اچھے شوہر اور اچھی بیوی کے اوصاف معلوم کرنا۔
(4) مرد پر لازم ہے کہ وہ:
الف: گھریلو نظام اور خاندانی معاشرت کو اچھا بنائے۔
ب: اپنے بیوی بچوں کو ہر بُرے اور شرمندہ کرنے والے کام سے بچائے۔
(5) عورت پر لازم ہے کہ وہ:
الف: پاکدامنی اختیار کرے اور اپنے خاوند کی فرماں برداری کرے۔
ب: گھریلو ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے اپنی طاقت خرچ کرے۔
(6) میاں بیوی کے درمیان اختلاف کی صورت میں صلح صفائی کی نوعیت سمجھنا۔
(7) (اگر طلاق کی نوبت آجائے تو) طلاق کے سنت طریقۂ کار کو جاننا۔
(8) جس خاتون کا شوہر فوت ہوجائے تو اُس کی عدت اور سوگ کا طریقہ جاننا۔
(9) اولاد کی پرورش کرنا اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا۔
(10) گھریلو ملازمین کے نظم و نسق کی سیاست سمجھنا اور اُن کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا۔
(11) ملازمین میں گھر کی خدمات سرانجام دینے کی صلاحیت کا پیدا ہونا۔
(12) (اگر ملازمین غلام ہوں تو) اُن کی آزادی کے طریقۂ کار کو اختیار کرنا۔
(13) رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا۔
(14) شہر کے فقرا اور مساکین کی ہمدردی اور خیرخواہی کا نظام بنانا۔
(15) آنے والی قدرتی آفات اور مصیبتوں کو دور کرنے میں باہمی تعاون کرنا۔
(16) اپنے قبیلے اور قوم کے سردار اور حاکم کا ادب واحترام کرنا۔
(17) قوم کے سربراہ اور حکمران کا لوگوں کے حالات کی خبرگیری کرنا۔
(18) فوت شدگان کے ورثا کے درمیان اُن کے ترکے کی صحیح تقسیم کرنا۔
(19) اپنے نسبی سلسلے اور شرافت و وقار کی حفاظت کرنا۔

خاندانی اور گھریلو نظام کے یہ وہ بنیادی اصول اور ابواب ہیں کہ جنھیں تمام انسانی اقوام مانتی ہیں۔ شہری آبادیوں اور علاقوں کے درمیان کتنے ہی فاصلے اور کتنے ہی مذہبی اختلافات کیوں نہ ہوں، وہ ان درجِ بالا امور کو قائم کرنے کی پوری جدوجہد اور کوشش کرتے ہیں۔ (باب تدبیر المنزل)

www.rahimia.org

تاریخ اسلام کے ناقابلِ فراموش واقعات

مفتی عبدالقدیر، چشتیاں

خلفائے راشدینؓ کی حکومت؛ انسان دوست حکومت کا ماڈل

حضرات خلفائے راشدینؓ نے انسانیت کے لیے ایک بہترین اور مثالی نظامِ حکومت تشکیل دیا تھا۔ خود ذاتی زندگی میں سادگی کی زندگی بسر کرنے والے ان حضراتؓ نے اعلیٰ معیار پر ایک بہترین حکمرانی کا ماڈل پیش کیا تھا۔ تاریخِ اسلام کا یہ ایک ناقابل فراموش واقعہ ہے، حتیٰ کہ غیر مسلموں نے بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔ اپنے اسی بہترین نظامِ حکومت کے سبب ان کے بارے میں نپولین نے کہا تھا کہ: ''مسلمانوں نے نصف صدی میں نصف دنیا کو فتح کرلیا تھا۔'' جواہر لال نہرو نے لکھا ہے کہ: ''ریگستان کے ان باشندوں نے معروف دنیا کا نصف حصہ فتح کرلیا تھا۔'' مسلمانوں کی ان تیز ترین فتوحات کا سبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیار کردہ اور تربیت یافتہ جماعت کا وہ کردار، نظریہ اور طرزِ حکومت تھا، جس میں عدل، جمہوریت، مساوات، انسان دوستی، سادگی، بے نفسی اور خدمتِ خلق کو بنیادی اور اساسی حیثیت حاصل تھی، جسے دنیا میں آج بھی انسان دوست حکومت کے لیے اساس سمجھا جاتا ہے۔ بہ قول ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری: ''شیخینؓ (حضرات ابوبکر و عمر) کی زندگیوں نے مسلمانوں کے لیے سیاست اور حکمتِ عملی کی ایک بالکل ہی نئی راہ کھول دی تھی اور عدل و انصاف، حریت و مساوات اور معاملات کی سربراہی اور تنظیم کا ایک نہایت درجہ عالی معیار قائم کردیا تھا۔''

ایسے ہی گاندھی جی کا مشہور واقعہ ہے کہ جب 1937ء میں کانگریس نے پہلی بار مختلف ہندوستانی ریاستوں میں حکومتیں بنائیں، تب گاندھی جی چاہتے تھے کہ حکومتوں کے وزرا سادگی و کفایت شعاری کا مظاہرہ کریں۔ چناں چہ انھوں نے 27/ جولائی 1937ء کو اپنے مشہور اخبار ''ہریجن'' میں اس موضوع پر ایک مضمون لکھا۔ گاندھی جی نے اپنے اس مضمون میں سادگی اور بے نفسی کی مثالیں دیتے ہوئے رام اور کرشن کے بجائے خلیفہ راشد اوّل و دوم؛ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی شخصیات کو پیش کیا اور بہ طور مثال اور نمونہ ان دونوں شخصیات کا ذکرِ خیر کیا۔ گاندھی جی نے لکھا: ''حضرت ابوبکر (صدیقؓ) اور حضرت عمر (فاروقؓ) وسیع سلطنت کے والی تھے، مگر انھوں نے فقیر کے مانند زندگی بسر کی۔'' ان حقائق سے مندرجہ ذیل نتائج سمجھ آتے ہیں:

1۔ آج ہم اگر مسلمان حکمرانوں کے طرزِ عمل پر نظر ڈالیں تو بیشتر کی زندگیاں سادگی و قناعت سے محروم دکھائی دیتی ہیں، جو ہمارے زوال کا ایک بڑا سبب ہے۔
2۔ تاریخ میں غیر مسلم بھی خلفائے راشدینؓ کی حکومت کو ایک مثالی انسان دوست حکومت کا ماڈل تصور کرتے تھے۔
3۔ آج بھی ایک جدید ریاست کے خدوخال وضع کرتے ہوئے دنیا خلفائے راشدینؓ کی حکومتوں کے معیارات، نصب العین اور خلافتِ راشدہ کی سادگی اور خدمتِ خلق کے جذبے سے پوری پوری رہنمائی لے سکتی ہے۔

ملکی معیشت

محمد کاشف شریف، راولپنڈی

نظام کی تبدیلی

جنگِ عظیم اوّل اور اس سے قبل ہونے والی تمام جنگوں میں زارِ روس بُری طرح شکست سے دوچار ہوا۔ ان شکستوں نے زار کو سیاسی طور پر کافی کمزور کردیا تھا اور ناکامیوں نے لوگوں کے دل و دماغ پر اس حقیقت کو واضح کردیا تھا کہ زاروں کا حکم یا اتھارٹی اب کافی حد تک معدوم ہوچکی ہے اور وہ ضروری حکومتی امور چلانے سے قاصر ہوتا جارہا ہے۔ اس صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے فوج اور سول انتظامیہ مستقل تبدیلی اور اصلاحات کرتی رہی، لیکن نتیجہ صفر رہا اور بالآخر زاروں کے اقتدار کا سورج غروب ہوا۔ 1917ء میں آنے والے انقلاب کی قیادت کو ورثے میں وہی بے عمل انتظامیہ اور فوج ملی، لیکن ہوا کیا؟ دیکھتے ہی دیکھتے گویا روس کے اداروں میں جان بھر دی گئی۔ غیر فعال اور لاغر قومی ادارے کام پر لگ گئے اور بیس سال کی محدود مدت میں طاقت اور معاشی ترقی میں پچھڑا ہوا روس یورپ کی دوسو سالہ ترقی کے برابر کھڑا ہوگیا، بلکہ جنگِ عظیم دوم کا سب سے بڑا فاتح بھی قرار پایا۔ اسی طرح چین، ویت نام اور ایران میں بھی ہوا۔ ان تمام انقلابی ممالک نے تبدیلی کے بعد پرانے نظاموں کو ختم کیا۔ اُن میں کارفرما ٹیم کی تشکیلِ نو کی اور اپنے اپنے معروضی حالات اور تقاضوں کی بنیاد پر نیا نظام وضع کرتے چلے گئے اور اس میں انھوں نے سستی نہیں کی۔ یہی وَجہ ہے کہ محدود مدت میں ہی انھوں نے دنیا سے اپنا لوہا منوایا اور دشمن کو ہر میدان میں گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا۔

نئے نظام بنانے کے اس عمل میں پرانے سیٹ اپ سے ماہرین کو لیا جاتا ہے اور اُن کی مہارت کو ملک و قوم کے لیے بروئے کار لایا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں پرانے اور مروّجہ بین الاقوامی نظام کے متعلقہ پہلوؤں پر گہری نظر رکھی جاتی ہے اور یہ رجالِ کار اس حوالے سے کام آتے ہیں۔ پاکستان میں انقلاب اور تبدیلی کے نعرے کوئی نئی بات نہیں۔ ہر جماعت دنیا میں آنے والے انقلابات طرز کی تبدیلی کا دعویٰ کرتی نظر آتی ہے، لیکن زمینی حقائق جوں کے توں رہتے ہیں۔ 1947ء سے پہلے سوچنے کا کام کرنے والے یہیں موجود تھے، لیکن ان کے جانے کے بعد ہم نے نظام کے کسی بھی عنصر کو چھیڑنے کی ہمت نہیں کی اور یقیناً ہماری مقتدرہ میں اس کی صلاحیت بھی نہیں تھی۔ چناں چہ بڑے بڑے بین الاقوامی اداروں نے اپنی ضرورت کے تحت جب چاہا، جتنا چاہا، ان عناصر کو بدلنے میں کردار ادا کیا۔ آج ہمارا المیہ ہی یہ ہے کہ ہم دوسروں کی دیکھا دیکھی کئی اقدامات نقل کی بنیاد پر اپنا لیتے ہیں، لیکن اس سے متعلق رجالِ کار میں اسے کرنے کا جذبہ اور صلاحیت پیدا نہیں کرتے اور آخر میں ہوتا یوں ہے کہ اعلانات اور بیانات تک بات رُک جاتی ہے اور نچلی سطح پر اس کے نتائج نہیں پہنچتے۔ حالیہ دنوں میں منظور کیا جانے والا منی بجٹ یقیناً کاروبار دوست اور دور رس نتائج کا حامل ہوسکتا ہے، لیکن تبدیلی سرکار کے پاس ٹیم وہی پرانی ہے۔

www.rahimia.org

مرزا محمد رمضان، راولپنڈی

یورپین اتحاد کا برطانیہ سے اعلانِ لاتعلقی

انگلینڈ کا لفظ انگریزی کے ایک پُرانے نام انگلیلینڈ (Englaland) سے ماخوذ ہے، جس کے معانی ہیں: ''اینگلز کی سرزمین''۔ اینگلز جرمن نسل کے قبائل تھے، جو عہدِ وسطیٰ میں برطانیہ آ کر آباد ہوگئے تھے۔ برطانیہ والوں نے انھیں دعوت دے کر بلایا تھا، تاکہ وہ انھیں بحری قزاقوں اور بیرونی حملہ آوروں سے تحفظ فراہم کرسکیں۔ برطانیہ کا موجودہ علاقہ 43 عیسوی سے 410 عیسوی تک رومیوں کے زیرِانتظام رہا ہے۔ آج کا انگلینڈ اس وقت کے تقریباً برطانیہ اور ویلز کے علاقوں پر مشتمل تھا۔ اور ایک مختصر عرصے کے لیے اسکاٹ لینڈ کا جنوبی حصہ بھی اس میں شامل تھا۔

نوویں سے سولھویں صدی عیسوی تک ویلز اور انگلینڈ دو علاحدہ علاحدہ ریاستیں تھیں۔ 1603ء میں اسکاٹ لینڈ کا جیمز ششم طاقت اور قوت کے بل بوتے پر انگلینڈ کا بادشاہ بن گیا اور جیمز اوّل کہلایا۔ 1706ء میں انگلینڈ اور اسکاٹ لینڈ کے درمیان 100 سال کے لیے ایک معاہدہ طے پا گیا، جس کا نفاذ یکم رمئی 1707ء سے ہوا تھا، اس کے نتیجے میں انگلینڈ ''برطانیہ عظمیٰ'' بن گیا۔ اسی طرح برطانیہ عظمیٰ اور آئرلینڈ کے مابین بھی 1800ء میں ایک معاہدہ ہوا تھا، جس کے نتیجے میں یکم رجنوری 1801ء سے UK (United Kingdom- متحدہ مملکت) کے نام سے ایک وفاق بن گیا۔

یہ وفاق چار قوموں کا باہمی اتحاد تھا، جن میں ویلز، انگلینڈ، اسکاٹ لینڈ اور جنوبی آئرلینڈ شامل تھے۔ یہ وفاق باہمی معاہدات کے تحت قائم ہوا تھا۔ ہر ریاست کو معاہدے کے مطابق علاحدگی کا اختیار حاصل تھا۔ جو ریاست سب سے بعد میں وفاق کا حصہ بنی تھی، وہ ایک طویل اور تھکا دینے والی جدوجہد کے بعد سب سے پہلے 1922ء میں علاحدہ ہونے میں کامیاب ہوگئی۔ تاریخ کی ستم ظریفی دیکھئے کہ جن دنوں عظیم الشان حکمرانِ ہند دنیا کی امیر ترین مملکت بنا کر احمد نگر میں 3 رمارچ 1707ء کو ابدی نیند سویا، جسے دنیا سلطان محی الدین اورنگزیب عالمگیر کے نام سے جانتی ہے، انھی دنوں دوسری طرف ان خزانوں کو لوٹنے کے لیے دنیا کے بحری قزاق مل کر ایسٹ انڈیا کمپنی کی صورت میں اپنی لوٹ مار کو حتمی شکل دینے جا رہے تھے۔ دو سو سالہ غلامی کے دور (1757ء تا 1947ء) میں برطانیہ نے ہندوستان سے 45 کھرب ڈالر لوٹے۔ اسی لوٹ کھسوٹ کے نتیجے میں وہ برطانیہ عظمیٰ بنا اور یورپ میں اپنی شناخت بنا سکا۔

فرانس کے جنرل ڈیگال نے اپنی حیثیت بحال کرنے کے لیے جب یورپی یونین تشکیل دی تو اُس نے خبردار کیا تھا کہ برطانیہ کو اس میں شامل نہ کیا جائے، لیکن ڈیگال کے انتقال کے بعد برطانیہ 1973ء میں یورپین سماج کا باقاعدہ حصہ بنا۔ 1975ء میں ریفرنڈم کے ذریعے اس کی رکنیت کی توثیق کر دی گئی۔ برطانیہ ہر سال اپنی رکنیت فعال رکھنے کے لیے یورپی یونین کو 8.5 ارب برطانوی پاؤنڈز ادا کرتا ہے، جس کے نتیجے میں ابھی تک اس کے ذمے 34 ارب پاؤنڈز واجب الادا ہیں۔

داخلی معاشی دباؤ کی وَجہ سے متحدہ مملکت (UK) کی پارلیمنٹ نے 23 رجون 2016ء کو ریفرنڈم کے ذریعے یورپی یونین سے علاحدہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ چوں کہ یہ عمل کئی گرہوں سے بندھا ہوا تھا، جنھیں کھولنے کے لیے تقریباً تین سال کا عرصہ درکار تھا، جو بالآخر 29 رمارچ 2019ء کو ختم ہونے جا رہا ہے۔ پارلیمنٹ میں ریفرنڈم کے حق میں ووٹ ڈالنے والوں کی تعداد 1 کروڑ 74 لاکھ کے قریب تھی، جن میں سے 51.9 فی صد رائے دہندگان نے سادہ اکثریت کے ساتھ علاحدگی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ بلجیم کے دارالحکومت برسلز میں 25 رنومبر 2018ء کو یورپی یونین کا ایک اہم اجلاس منعقد ہوا۔ یونین کے 27 ارکان نے اجلاس میں شرکت کی۔ یہ اجلاس ڈونلڈ ٹسک کی سربراہی میں منعقد ہوا تھا۔ تمام ارکان نے متفقہ طور پر ایک گھنٹے سے بھی کم عرصے میں برطانیہ کو یورپین اتحاد سے علاحدہ ہونے کی منظوری دے دی۔ ''بریگزٹ'' دو الفاظ 'برطانیہ' اور 'ایگزٹ' کا مجموعہ ہے، یعنی برطانیہ کا یورپی یونین سے انخلا، جو 29 رمارچ 2019ء کو رات 11 بجے کے بعد شروع ہو جائے گا۔

برطانیہ سالانہ اپنی اشیا و خدمات کا 50 فی صد ''ایک مارکیٹ'' (Single Market) یعنی یورپی یونین کو برآمد کرتا ہے۔ یورپ کے علاوہ انڈیا اور چین کی 30 لاکھ لیبر فورس UK میں ان مصنوعات کی تیاری میں مصروفِ عمل ہے۔ برطانیہ کو یورپی یونین سے علاحدہ ہونے کے بعد کسی متبادل مارکیٹ کی ضرورت ہوگی۔ متبادل مارکیٹ میں آج کمیونسٹ معاشی ماڈل اپنی دھاک بٹھا چکا ہے، جس نے سرمایہ داریت کے حالیہ چیمپیئن کو چت کر رکھا ہے۔ برطانیہ بہ طور ''معاشی مرکز'' کے دنیا میں اپنی اہمیت کھو چکا ہے۔

28 رنومبر 2018ء کو برطانیہ میں ایک رپورٹ شائع ہوئی ہے، جس کے مطابق بریگزٹ کے نتیجے میں برطانیہ کی معیشت اگلے 15 سالوں میں اپنی بدترین سطح تک پہنچ جائے گی۔ اس کا حالیہ بحران دنیا کے 2008ء کے ''بدترین بحران'' سے بھی بدتر ہوگا۔ معاشی ماہرین کا کہنا ہے کہ بریگزٹ کے بعد برطانیہ کی حقیقی فی کس آمدنی مسلسل گرنا شروع ہو جائے گی۔ اس کی تمام مصنوعات جو آج یورپ کے 27 ملکوں میں فروخت ہوتی ہیں، انخلا کے بعد سنگل مارکیٹ میں مہنگی ہو جائیں گی۔ کیوں کہ یورپ ان پر ٹیرف عائد کر دے گا۔ فوری طور پر اتنی بڑی مقدار میں برآمدات کے مہنگا ہونے سے ان کی پیداوار بھی متأثر ہوگی۔ ان کارخانوں سے متعلقہ روزگار اور آمدنی دونوں گرنا شروع ہو جائیں گی۔ دنیا کے مبصرین جنھوں نے بریگزٹ کی مخالفت کی تھی، ان میں نمایاں نام بینک آف انگلینڈ کے سربراہ مارک کارنی، سابق وزرائے اعظم ڈیوڈ کیمرون، جان میجر، ٹونی بلیئر، گارڈن براؤن اور سابق امریکی صدر باراک حسین اوباما تھے۔ بریگزٹ کے حامیوں میں لندن کے میئر جان بورس، برطانیہ کی متعدد سیاسی پارٹیوں کے سربراہان کے علاوہ اہم ترین نام روس کے صدر ولادی میر پیوٹن کا ہے۔ روسی صدر کی حمایت برطانیہ کی تنزلی کے عمل کو مہمیز کرنے کے لیے ہے۔ معاشی طور پر کمزور ہونے سے برطانیہ کی سیاسی ساکھ بھی غیر مؤثر ہو جائے گی۔ برطانیہ کے دنیا میں بے وقعت ہونے سے امپیریل ازم کو بہت بڑا دھچکا لے گا۔

www.rahimia.org

خطبات و بیانات

رپورٹ: سیّد نفیس مبارک ہمدانی، لاہور

ریاستِ مدینہ کی تشکیل؛ بنیادی اصول

یکم رفروری 2019ء کو حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہ نے ادارہ رحیمیہ لاہور میں جمعۃ المبارک کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''معزز دوستو! دین اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے ہم تک پہنچا ہے۔ آپؐ نے دین کی تعلیمات کی اساس پر انسانوں کی فلاح و بہبود کا ایک مکمل نظام قائم کیا ہے۔ نبی اکرمؐ نے انسانی معاشروں کو ترقی دینے اور فلاحِ انسانیت کے جو اجتماعی کام کیے ہیں، ان میں سب سے اہم اور نمایاں ترین کام مدینہ منورہ کی ایک شان دار ریاست کا قیام ہے۔ ریاستِ مدینہ کی تشکیل دراصل ریاستِ مکہ کے فرسودہ نظام کے خاتمے پر استوار ہوئی۔ ریاستِ مکہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حنفی اصولوں؛ توحید اور وحدت کی اساس پر قائم تھی، اس پر بعثتِ نبویؐ سے کوئی ڈھائی تین سو سال پہلے عمرو بن لُحَیْ ایسے ابوجہلوں کا قبضہ ہوگیا تھا، جنھوں نے مکہ میں شرک اور ظلم و کفر کی بنیاد ڈالی اور قدیم زمانے کے نیک سیرت بزرگوں کے بت بنا کر کعبہ میں رکھ دیے کہ اللہ نے انھیں بھی اپنے کاموں میں شریک کیا ہے۔ اس کے نتیجے میں وہ مرکز جو انسانی فائدے اور اللہ سے جوڑنے کے لیے تھا، وہ اللہ سے توڑنے اور انسانیت پر ظلم و ستم ڈھانے کا نمونہ بن گیا۔ حضرت محمد مصطفیٰؐ نے آکر سب سے پہلے شرک و کفر پر مبنی اس ریاستِ مکہ کے غلامانہ فرسودہ نظام کو توڑا۔ ابوجہل کی حکومت کے خاتمے کے لیے کام کیا۔

اس برعظیم پاک و ہند میں بھی ڈھائی تین سو سال پہلے انگریز سامراج کا تسلط ہوا، جس نے مسلمانوں کا نظامِ حکومت بدل دیا۔ سیاست اور معیشت بدل دی۔ عدالتی نظام تبدیل کر دیا۔ انگریزوں نے آکر یہاں اعلان کیا کہ ''خلق خدا کی، ملک بادشاہ کا اور حکم کمپنی بہادر کا''۔ گویا اللہ کے ساتھ کمپنی بہادر اور بادشاہ کو شریک کرلیا گیا۔ یہ بالکل ایسے ہی ہوا، جیسے عمرو بن لُحَیْ نے مکہ کی ریاست پر قبضہ کیا۔ جیسے اُس نے تین سو ساٹھ بت لا کر کعبہ میں رکھے تھے۔ اس کے بعد بھی مکہ پر قابض ہونے والے ابوجہل ایسے ظالم لوگ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے گئے بتوں میں اضافہ کرتے رہے۔ اس کے نتیجے میں حکمران طبقے اپنے ذاتی اور گروہی مفادات اٹھاتے تھے۔ یہاں بھی ایسٹ انڈیا کمپنی اور برٹش شہنشاہیت نے اپنے آلہ کار جاگیردار، وڈیرے، سرمایہ دار، مذہبی بہروپیے، سیاست کے فرعون، معیشت کے اجارہ دار بُت تراشے اور اس خطے کے عوام سے اُن کی پرستش کرائی۔

ریاستِ مدینہ کے قیام کا بنیادی اصول یہ ہے کہ کسی انسانی معاشرے کے بنیادی سماجی ڈھانچے میں غلامی کے زمانے کی جتنی بھی ظلم اور کفر پر مبنی خرابیاں پیدا کی گئی ہوں اور بت تراشے گئے ہوں، پہلے اُن کا خاتمہ کیا جائے۔ اگر واقعتاً ریاستِ مدینہ کی تشکیل کرنی ہے تو پہلے ریاستِ مکہ کی طرح قائم تین سو سالہ انگریز سامراج کے نظام کو توڑیے۔ اگر نوآبادیاتی دور کا نظام نہیں ٹوٹتا تو ریاستِ مدینہ نہیں بن سکتی۔''

کفر اور غلامی پر مبنی ریاستی نظام کا خاتمہ

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہ نے مزید فرمایا: ''حضور اقدسؐ نے فرمایا کہ: جس ملک اور قوم پر جاہلوں اور نااہلوں کا قبضہ ہوجائے تو وہاں قیامت کا انتظار کرو۔ (صحیح بخاری، حدیث 6131) ہمارے مقتدر طبقات کی نااہلی کی پوری تاریخ ہمارے سامنے ہے۔ انگریزوں کے قبضے کے بعد اس خطے میں ہر تیس چالیس سال کے بعد غلامی کے تسلط اور اُس کے پھیلاؤ کے نقطہ نظر سے نئے فیصلے کیے جاتے رہے۔ ذرا 1757ء سے لے کر اب تک کی تاریخ ملاحظہ کیجیے۔ ہر تیس چالیس سال کے بعد یہاں جتنی آئینی اور قانونی ترمیمات انگریز سامراج نے کی ہیں، اس کا جائزہ لیجیے۔ 1762ء سے لے کر 2-1801ء تک جو لوٹ کھسوٹ کا نظام رہا، 1803ء میں اُسے بدلا اور نیا ظالمانہ نظام لائے۔ نیا بیوروکریٹک سسٹم بنایا۔ اُس کے ٹھیک تیس پینتیس سال کے بعد 1835ء میں لارڈ میکالے نے آکر پہلے کے پورے تعلیمی نظام کو بدل کر رکھ دیا۔ اس نے کہا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے سابقہ افسران ہندوستانیوں کو قدیم قومی نظریے کے مطابق تعلیم دلواتے رہے، اسے بدلنے کی ضرورت ہے۔ اُس نے مروّجہ فارسی و عربی زبان کے بجائے انگریزی کو تعلیم کی بنیاد بنایا۔ اس کے تیس چالیس سال کے بعد جب یہاں کے لوگوں میں انگریزی پوری طرح سرایت نہیں کر رہی تھی تو پھر نئی تعلیمی پالیسی لائی گئی کہ علاقائی زبانوں؛ اردو، پشتو، پنجابی اور سندھی وغیرہ زبانوں کو اُبھار کر لوگوں کو فارسی اور عربی زبان کے قومی نظام سے کاٹ دیا۔ پھر اس کے تیس چالیس سال بعد ہندو مسلم اتحاد پر قائم نظام کو ختم کرنے کے لیے مذہبی تقسیم کی بنیاد پر جماعتیں بنائی گئیں۔ پھر اسی مذہبی تقسیم کا جو زہریلا بیج 1906ء میں بویا تھا، اُسے پچاس کی دہائی میں عروج پر لا کر اس خطے کو دو ملکوں میں تقسیم کر دیا۔

پھر اس سے اگلے تیس سال کے دورانیے میں اس ملک کے دو ٹکڑے کیے گئے۔ پھر 79-1978ء میں جہاد کے نام پر ایک نئی پالیسی لائی گئی، جسے آج چالیس سال گزرنے پر کہہ رہے ہیں کہ پچھلے چالیس سال ہم نے جہاد کے نام پر دہشت گردی اور جہالت پھیلائی اور اب ''ریاستِ مدینہ'' کی طرح قومی ریاست بنانی چاہیے۔ یقیناً یہ اگلے تیس چالیس سال کے لیے کوئی نئی پالیسی ہوگی۔

آپ دیکھیے کہ اس خطے کے مقتدر طبقات کس طرح گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے رہے ہیں۔ ظلم کا سسٹم وہی رہتا ہے، پالیسیز نئی لائی جاتی ہیں۔ جب تک قوم میں جہالت اور نااہلی کی بنیاد پر بنائے گئے فرسودہ نظام کے تسلط سے مکمل آزاد نہ ہوں، اس وقت تک مدینہ کا نام لے لو یا مغرب کا، نتیجہ ایک ہی رہتا ہے۔ اسی پس منظر میں مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے ستر سال پہلے کہا تھا کہ: ''مسلمان ملکوں کے حکمران طبقے اور مذہبی نمائندے نااہل ہیں۔ یہ کوئی بھی خوش نما عنوان؛ جمہوریت، بادشاہت، اسلامی حکومت، نیشنلزم وغیرہ اختیار کرلیں، ایسے طبقات کی موجودگی میں کبھی ترقی نہیں ہوسکتی۔'' انھیں لوگوں کا گروہ ہے جو ستر سال سے اسلام اور عوام کے عنوان سے قوم کو بے وقوف بناتا رہا ہے، انھیں کو جمع کر کے اب نئی ''ریاستِ مدینہ'' تشکیل کرنے چلے ہیں!؟''

www.rahimia.org

عدل کی روح اور قیام کے تقاضے

حضرت آزادرائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

’’عدل کی بنیادی روح یہ ہے کہ سوسائٹی کے تمام افراد کے سماجی معاہدات اور معاملات مساوی طور پر پورے کیے جائیں۔ ہمارے ہاں جب عدل کی بات کی جاتی ہے تو بعض نام نہاد اہلِ علم ایسی تعریف کرتے ہیں، جس سے طبقاتی نظام باقی رہے اور ظلم پھیلتا رہے۔ عدل و مساوات تو ہمیشہ دونوں پلڑوں کے برابر ہونے کا نام ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جنھوں نے ریاستِ مدینہ تشکیل دی، ان کے پاس فاطمہ نامی خاتون کی چوری ثابت ہونے پر یہ سفارش پہنچتی ہے کہ: ’’یہ سردار کی بیٹی ہے، اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔‘‘ حضورؐ نے فرمایا: ’’اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔‘‘ (صحیح مسلم، حدیث 1917)

اسی طرح حضورؐ نے یہودیوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہی تو لعنت ہے کہ اللہ نے جس جرم کی جو سزا مقرر کی ہے، تم نے اس کو طبقاتی مفادات کی خاطر بدل ڈالا۔ جب قرآن حکیم کی یہ آیت نازل ہوئی کہ یہودیوں نے اپنے اَحبار و رُہبان (علما اور راہبوں) اور لیڈروں کو اللہ کے علاوہ ربّ بنا لیا ہے۔ (31:9) تو صحابہؓ نے حضورؐ سے پوچھا کہ بھلا انسان کو بھی کوئی ربّ بناتا ہے؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ اُن کے علما جس چیز کو حلال قرار دیتے، اُسے لوگ حلال سمجھتے اور جسے یہ حرام قرار دیتے، لوگ اُسے حرام سمجھتے تھے۔ (ترمذی، ج 8/248، ح 3094) حقیقت یہ ہے کہ حلال و حرام کا اختیار ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے ہے۔ اللہ نے فیصلہ کرنا ہے کہ کون سی چیز حلال ہے اور کون سی چیز حرام ہے۔ اگر درمیان میں یہ انسانی مقتدر طبقات اپنا خود ساختہ حلال و حرام بنانے لگیں تو انھیں ’’اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ‘‘ یعنی اللہ کے علاوہ ربّ بنانا ہے۔ آج اگر ہماری ریاست کے اربابِ اقتدار اپنے مفادات کی پالیسیاں بناتے رہیں اور وہ اسلام کا نام استعمال کر کے جس کو حلال کہہ دیں وہ حلال قرار دیا جاتا ہے اور جس کو حرام کہہ دیں، اُسے حرام مان لیا جاتا ہے تو انھیں بھی اللہ کے علاوہ اپنا ربّ ماننا ہے۔ اگر انسانی ربوبیت اور اربابِ اقتدار کا یہ سسٹم نہیں ٹوٹتا اور عدل کی اساس پر سوسائٹی کی تشکیل نہیں ہوتی تو ریاستِ مدینہ کیسے قائم ہو سکتی ہے؟

پھر کسی بھی ریاست میں عدل کے قیام کے لیے یہ بھی ناگزیر اور ضروری ہے کہ اُس کے تمام امور وہاں کی عوامی زبان میں سرانجام پائیں۔ لوگوں کو پتہ ہو کہ اُن کے لیے جو قانون منظور کیا گیا ہے، وہ ہے کیا؟ ہمارے ہاں قوانین، فیصلے اور آرڈرز ایک ایسی غیر ملکی زبان انگریزی میں جاری کیے جاتے ہیں، جو چند فی صد لوگ سمجھ سکتے ہیں۔ عام آدمی کو پتہ ہی نہیں کہ میرے لیے کیا قانون بنایا گیا ہے؟ اس لیے کہ اُس کی قومی اور مادری زبان میں اُسے بتایا ہی نہیں گیا۔ جہالت کا فائدہ اٹھا کر کسی مجرم کو اس لیے سزا دینا کہ اُس نے قانون کی خلاف ورزی کی ہے، یہ سب سے بڑی بے انصافی اور ظلم ہے۔ ہر انسان کو اس کے خطے کی زبان میں معلوم ہونا چاہیے کہ کون سے کام اُس کی ریاست کے لیے جرم ہیں اور کون سے امور سرانجام دینا لازمی اور ضروری ہیں۔‘‘

ریاستِ مدینہ کے چار بنیادی اُمور

حضرت آزادرائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

اس ملک میں ’’ریاستِ مدینہ‘‘ جیسی ریاست بنانے کے لیے چار اصول بنیادی اہمیت رکھتے ہیں: پہلا یہ کہ انگریز سامراج کے بنائے ہوئے تین سو سالہ غلامی کے نظام کو نیست و نابود کیا جائے، جیسے حضور اکرمؐ نے ابوجہل کے سسٹم کو توڑ کر مکہ کی ریاست کا خاتمہ کیا اور مدینہ کی ریاست کی تشکیل کی۔ دوسرا یہ کہ تمام انسانوں کے لیے ہر قسم کے سماجی معاہدات مساوات اور عدل پر مبنی ہوں، جیسے ریاستِ مدینہ کے تمام سماجی اور اجتماعی معاملات میں حضورؐ نے رنگ، نسل، مذہب کی بنیاد پر کسی میں کوئی فرق روا نہیں رکھا۔ تیسرا یہ کہ ریاست میں بسنے والے ہر انسان کے لیے بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب ’اَمن کو یقینی بنایا جائے۔ اور چوتھا اصول یہ ہے کہ پوری ریاست کے تمام اقتصادی وسائل کو بروئے کار لا کر اُس کو معاشی طور پر اپنے قدموں پر کھڑا کیا جائے، جس کے بارے میں قرآن حکیم نے کہا کہ ایسا مطمئن معاشرہ، جس میں ہر طرف سے اُس کا رزق وافر مقدار میں آئے۔ (112:16) یہ تبھی ممکن ہے کہ ’’اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ‘‘ (اللہ کے علاوہ بنائے گئے مقتدر خداؤں) یعنی جو اربابِ اقتدار وسائل کا نوے فی صد حصہ کھا جاتے ہیں اور محض پانچ دس فی صد غریب عوام کے لیے بچتا ہے، ان کے طبقاتی نظام کو توڑا جائے۔ اگر یہ ظالمانہ نظام نہیں ختم کرتے تو ریاستِ مدینہ کا نام بدنام کیوں کرتے ہیں؟

آج کل ریاستِ مدینہ کے نام پر سیرت کانفرنسیں ہو رہی ہیں، اخبارات میں اشتہار آ رہے ہیں کہ اس پر مقالے لکھیں، کتابیں لکھیں کہ حضورؐ نے کس طریقے سے ریاستِ مدینہ قائم کی؟ یہ حکمرانوں کو راضی کرنے کے لیے محض میٹھی میٹھی باتیں ہیں۔ اگر ان سے متأثر ہو کر بعض مذہبی رہنما بھی حکمرانوں کو اس نام پر سلیوٹ کرنے لگ جائیں تو اس سے ظلم کی ریاست کے ہاتھ پاؤں مزید مضبوط ہوں گے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ ان مقتدر طبقات اور قوتوں کا مذہب کے نئے عنوان سے ریاست پر تسلط قائم کرنے کے علاوہ اَور کوئی مقصد نہیں ہے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ریاست قائم کرنی ہے تو اُسی طریقۂ کار کے مطابق کرنی ہوگی جیسے نبی اکرمؐ نے ریاستِ مدینہ قائم فرمائی۔ محض باتیں کرنے سے ریاستیں تشکیل پذیر نہیں ہوتیں۔ ورنہ نبیؐ کی ریاستِ مدینہ کا خاکہ اگر ہماری موجودہ ریاست کی شکل میں لوگوں کے سامنے آیا تو لوگ سمجھیں گے کہ نعوذ باللہ شاید مدینہ کی بھی ایسی ہی ریاست تھی۔ لوگوں کو کیا پتہ کہ ریاستِ مدینہ کیا ہے؟ وہ تو کہیں گے کہ جی پاکستان بن گیا ’’ریاستِ مدینہ‘‘ اس کو دیکھ لو۔ اس کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ ایسے ہوتی ہے ریاستِ مدینہ جو دوسرے ملکوں سے بھیک مانگتی پھر رہی ہے، کشکول لیے پھرتی ہے۔ ایسی ریاست کو کون مانے گا؟ یہ تو حضورؐ کی ریاست کی توہین کرنا اور آپؐ کی سیرتِ نبویہؐ کے کردار پر پانی پھیرنا ہے۔ اس لیے دین کا بنیادی شعور اور نبی اکرمؐ کی تعلیمات کا بنیادی فکر و عمل سمجھنا بہت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسا عقل و شعور اور ہمت عطا فرمائے کہ ہم قرآنی تعلیمات کی اساس پر اپنی سوسائٹی میں حقیقی تبدیلی پیدا کر سکیں۔‘‘ (آمین!)

www.rahimia.org

عظمت کے مینار

وسیم اعجاز، کراچی

شیخ ابوالسراج مولانا خلیفہ غلام محمد دین پوریؒ

تحریکِ ریشمی رومال کے رہنماؤں میں ایک نمایاں نام حضرت مولانا غلام محمد دین پوریؒ کا ہے، جنھوں نے اپنے شیخ سیّد العارفین حضرت حافظ محمد صدیقؒ آف بھرچونڈی شریف کی سرپرستی میں سندھ دھرتی میں حریت و آزادی کی شمع روشن کی۔ آپؒ 1826ء کو سردار نور محمد خاں رند کے ہاں موضع عالماں شرقی، جھنگ میں پیدا ہوئے۔ والدِ گرامی کی وفات کے بعد تعلیم و تربیت کی تمام تر ذمہ داریاں والدہ نے سرانجام دیں۔ طالبِ علمی کے زمانے میں ہی حافظ محمد صدیقؒ آف بھرچونڈی شریف سے متعارف ہوگئے اور اُن کے ہمراہ خاندان سمیت بھرچونڈی سندھ منتقل ہوگئے۔ 20 برس تک سیّد العارفینؒ کی خدمت میں رہ کر ظاہری و باطنی فیوضات حاصل کیے اور مجاز ہوئے۔

سیّد العارفینؒ کے حکم سے خان پور کے قریب ایک جگہ سکونت اختیار فرمائی، جس کا نام آپؒ نے ''دین پور شریف'' رکھا۔ دین پور میں دینِ اسلام کی تعلیمات کو فروغ دینے اور حریت و آزادی کے نظریات کے فروغ کے لیے ایک مرکز قائم فرمایا۔ امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ بھی اس مرکز سے وابستہ رہے۔ امامِ انقلابؒ اپنی کتاب ''التّمهيد لتعريف أئمّة التّجديد'' میں فرماتے ہیں کہ: ''میں اپنے مطالعۂ علوم کے دنوں میں شیخ ابوسراج غلام محمد دین پوریؒ کے زیرِ نگرانی ''طریقۂ راشدیہ'' کے حصول میں مشغول رہا۔ طریقۂ راشدیہ، سلسلۂ مجددیہ اور سلسلۂ قادریہ کا جامع ہے۔ شیخ رحمہ اللہ نے مجھے کئی بار اس طریقے کا مخصوص لباس پہنایا (اور خلافت عطا کی)۔'' مزید فرماتے ہیں کہ: ''اگر میری کوئی دنیاوی ضرورت امروٹ میں پوری نہ ہوتی تو میں وہ دین پور سے حاصل کر لیتا تھا۔''

سلسلۂ راشدیہ قادریہ دین پور شریف پہلے سے ہی تحریکِ آزادی کا خفیہ مرکز تھا۔ امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے انتہائی جدوجہد کے بعد اس خفیہ تحریک کا دائرۂ کار بڑھانے اور قومی آزادی کی تحریک کا کردار ادا کرنے کی غرض سے اس مرکز کا تعلق شیخ الہندؒ کی تحریکِ آزادی سے جوڑ دیا، جس کے نتیجے میں دین پور، تحریکِ ریشمی رومال کے ایک فعال مرکز کے طور پر کام کرتا رہا۔ حافظ محمد صدیق بھرچونڈویؒ نے بھرچونڈی شریف میں پہلے سے ہی حریت و آزادی کے فکر و عمل کی بنیاد پر ایک مرکز قائم کیا ہوا تھا۔ سیّد العارفینؒ کی صحبت کے نتیجے میں حریت و آزادی کا فکر اور انگریز سامراج سے نفرت حضرت دین پوریؒ کی طبیعت کا حصہ بن چکی تھی۔ اس مرکز میں نہ صرف یہ کہ رجالِ کار کی تیاری اور تربیت کی جاتی تھی، بلکہ بدیسی حکمرانوں کے خلاف جدوجہد کے لیے اسلحہ و بارود وغیرہ بھی جمع کر کے رکھا جاتا تھا۔ خانقاہِ دین پور شریف کے صدر دروازے کے نیچے ایک تہہ خانہ قائم کیا گیا تھا، جس میں اس خانقاہ کے حریت پسند متعلقین دن رات تندہی کے ساتھ اسلحے کی تیاری اور اس کو محفوظ بنانے کا کام سرانجام دیتے تھے۔

تحریکِ ریشمی رومال کے سلسلے میں حضرت دین پوریؒ اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کا مضبوط رابطہ تھا۔ حضرت دین پوریؒ نے متعدد بار دیوبند تشریف لا کر حضرت شیخ الہندؒ کی مجالس میں شرکت فرمائی۔ حضرت سندھیؒ جب کابل جانے سے قبل دیوبند سے دین پور پہنچے تو حضرت دین پوریؒ نے اس سلسلے میں اُن کی پوری مدد فرمائی۔ حضرت سندھیؒ نے تحریکِ ریشمی رومال کی مکمل پلاننگ حضرت دین پوریؒ کے سامنے رکھی اور کابل جانے کی تیاری کرنے لگے۔ حضرت سندھیؒ اپنی بیٹی کو شیخ عبدالقادر دین پوریؒ کی کفالت میں چھوڑ گئے تھے، جنھوں نے ان کی اچھی تربیت کرنے کے بعد ان کا نکاح ابوالسراج دین پوریؒ سے کروا دیا تھا۔

تحریکِ ریشمی رومال کی تمام تر معلومات ریشمی رومال پر تحریر کر کے کابل سے حجاز حضرت شیخ الہندؒ تک بہ راستہ دین پور ہی پہنچائی جاتی تھیں۔ کسی وَجہ سے جب اس تحریک کا افشا انگریزوں کو ہوگیا تو انگلش ایوان میں کھلبلی مچ گئی۔ تحریک کی تیاری کے تمام سامان دین پور شریف میں جمع کر لیے گئے تھے اور مزید کوششیں جاری تھیں کہ فوج کی آمد کی خبر پہنچ گئی۔ راتوں رات تمام سامان، رائفلیں، کارتوس وغیرہ مختلف علاقوں میں منتقل کر دیا گیا۔ صبح کو جب انگریز افسر دین پور پہنچا اور تفتیش کی تو کوئی چیز موجود نہ تھی۔ ریشمی خط کو بھی تلاش کیا گیا، مگر وہ ایک ڈبے میں بچوں کے کھلونوں کے نیچے رکھا ہوا تھا۔ انگریز افسر نے اس ڈبے کو اٹھایا، مگر اوپر کے کھلونوں کو دیکھ کر رکھ دیا۔ غرض یہ کہ کوئی مشتبہ چیز نہ پائی گئی۔ فوج آنے کی خبر اطراف و جوانب میں پھیل گئی تو ہزاروں آدمی جمع ہوگئے، اس لیے دین پور میں کوئی گرفتاری نہ ہوسکی، لیکن انگریز حضرت دین پوریؒ کو پنجاب لے گئے اور جالندھر میں نظر بند کر دیا۔ کچھ عرصے کے بعد کسی ثبوت کے نہ ہونے اور عوام کے اشتعال کی بنا پر رہا کر دیے گئے۔

رولٹ کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق تحریکِ ریشمی رومال کا مقصد یہ تھا کہ ہندوستان کو آزاد کرایا جائے۔ اس مقصد کے لیے ایک فوج ''حزب اللہ'' کے نام سے قائم کی گئی تھی، جس کے کمانڈر اِنچیف شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ تھے۔ اس فوج کو مسلح کرنے اور سامانِ حرب کی فراہمی کے تمام تر انتظامات خانقاہ دین پور شریف ہی میں کیے جانے تھے، لیکن 1916ء میں اس تحریک کا انکشاف ہوگیا۔ برطانوی حکومت نے حریت پسندوں بالخصوص علمائے دیوبند اور حضرت دین پوریؒ کو گرفتار کرلیا۔ ''نقشِ حیات'' کے مطابق: ''حضرت دین پوریؒ کی گرفتاری کی وَجہ سے عوام میں اس قدر اشتعال پیدا ہوا کہ حکومتِ برطانیہ کو انھیں رہا کرنا پڑا۔'' 1920ء میں حضرت شیخ الہندؒ اسارتِ مالٹا سے رہا ہوئے۔ آپؒ کی صحت بالکل بگڑ چکی تھی۔ وجود ہڈیوں کا ڈھانچہ بن چکا تھا۔ جب حضرت دین پوریؒ کو آپؒ کی رہائی کی خبر ملی تو انھوں نے حضرت شیخ الہندؒ کی تیمارداری کے لیے ایک وفد بھیجا۔

مولانا غلام محمد دین پوریؒ کا انتقال ۳۰/ ذوالحج ۱۳۵۴ھ/ 24/ مارچ 1936ء کو دین پور شریف میں ہوا۔ ان کا مزار آج بھی دین پور شریف میں مرجعِ خواص و عام ہے۔ ان کے پائینتی سمت امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ لحدِ مبارک میں آرام فرما ہیں۔

ہائے حسرت آج کے قحطِ رجالی دور میں
کب ملیں گے آپ جیسے ہم کو انساں باشعور

www.rahimia.org

فکرِ سعید

مرسلہ: ساجد علی، مانسہرہ

افادات وملفوظات
حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ

(22؍نومبر 2010ء کو حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ نے سفرِ حج سے واپسی پر ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور میں خطاب فرمایا، جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:)

سورۂ فاتحہ کا سبق: میرے دوستو! فاتحہ کا سبق یہ ہے کہ صراطِ مستقیم پر چلنے والے لوگوں کا اتباع کیا جائے اور دراصل صراطِ مستقیم انعام یافتہ جماعت ہی کا راستہ ہے۔

نبوت کی حقیقت اور پیغمبر کی دعوت: نبوت ایک منصب ہے اور انبیاؑ کے درجات' ولایت کے اعتبار سے ہیں۔ حضرت نبی اکرمؐ ولایت کے سب سے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔ پیغمبر کی دعوت ذاتی اَغراض کے لیے نہیں ہوتی، بلکہ وہ مامور من اللہ ہے اور ان کی دعوت کا مقصد ظلم کا خاتمہ، عدل کا قیام اور رضائے الٰہی کا حصول ہے۔

صالح دینی جدوجہد کی پہچان: مسلمان اور غیرمسلم جماعت کے کام میں بنیادی فرق یہ ہے کہ غیرمسلم جماعت' اقتدار، لیڈرشپ، شہرت اور مال کے حصول کے لیے کام کرتی ہے، جب کہ مسلمان جماعت صرف رضائے الٰہی کے حصول کے لیے کام کرتی ہے۔ اس لیے آج اہلِ ہدایت اور اہلِ انعام کا اتباع ہونا چاہیے۔ جب کہ فاسد مذہبی تحریک کی نشانی ہی یہ ہے کہ جس کے نتیجے میں مال و شہرت ملے، جو کہ گمراہی کا کام ہے۔

خانقاہی نظام کا تعارف و ضرورت: خانقاہوں کا نظام درحقیقت (۱) اُسوۂ پیغمبری کی اتباع میں تزکیۂ نفس کے حصول کا ذریعہ ہے۔ (۲) اور ملکی اور حکومتی نظام چلانے والے لوگوں کی تربیت گاہ ہے۔

جماعتی کردار کا تقاضا اور اولیاء اللہ کا فیضان: جماعتی کردار کا تقاضا یہ ہے کہ تمام بُرے اَخلاق ختم ہوں، بالخصوص خودغرضی، لالچ، دنیاپرستی و جاہ پرستی کا خاتمہ بے حد ضروری ہے۔ اس کے بغیر (صالح) اجتماعیت قائم نہیں ہوسکتی۔ اولیاء اللہ کا کردار بھی اسی حوالے سے ہے، جو سال ہا سال محنت کر کے اپنے اندر کمالات پیدا کرتے ہیں۔ کلامِ الٰہی اور خانقاہ کی تربیت کا اثر یہ ہوتا ہے کہ (۱) وہاں کا تربیت یافتہ کسی کے زیراثر نہیں آتا۔ (۲) وقت کا نظام اور بادشاہ خوف زدہ رہے اور ظلم کرنے سے باز رہے۔ (۳) بادشاہ ان کو خرید نہیں سکتا، کیوں کہ ان میں لالچ اور مفاد پرستی ختم ہو جاتی ہے۔

رہنما جماعت کا معیار اور علما کی اقسام: رہنما جماعت کا معیار یہ ہے کہ وہ اہلِ تقویٰ (علمائے حق و سچے اولیاء اللہ) کے کردار کی حامل ہو۔ اس اعتبار سے علما کی دو قسمیں ہیں:

(۱) علمائے حق؛ جو اہلِ تقویٰ کے راستے پر ہیں، ان کا اتباع ضروری ہے۔

(۲) علمائے سُو: وہ علما ہیں جو مفاد پرست اور دنیادار ہیں۔ ان کی اتباع نہیں ہوسکتی حتیٰ کہ محض سند یافتہ، لیکن غیرتربیت یافتہ عالم بھی رہنمائی کے لائق نہیں۔

دورِ عروج میں خانقاہوں کا کردار: ہمارے دورِ عروج میں معاشرے میں عدل و انصاف کے قیام کے حوالے سے خانقاہوں کا بڑا اہم کردار ہے:

(۱) یہ نظام چلانے والے لوگوں کی تربیت کا مرکز تھیں۔ ان میں اعلیٰ اَخلاق اور خوفِ خدا پیدا کیا جاتا تھا اور بُرے اَخلاق؛ لالچ و مفاد پرستی وغیرہ کا خاتمہ کیا جاتا تھا۔

(۲) نظام چلانے والے بادشاہوں کی سرزنش کی جاتی تھی، تاکہ وہ رعایا کو عدل و انصاف کی فراہمی یقینی بنائے رکھیں۔ بادشاہوں اور نظام کو اولیاء اللہ نکیل ڈالے رکھتے تھے۔

زوال کے اسباب فرمانِ نبوی کی روشنی میں اور ان کے تدارُک کی حکمتِ عملی: حدیثِ مبارکہ میں دنیادار پیروں، دنیادار علما اور فاسق حکمرانوں کی اتباع کو زوال کا بنیادی سبب قرار دیا گیا ہے۔ حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ فرماتے ہیں کہ: دنیادار پیر و علما وہ ہیں کہ جن سے سرمایہ دار اور جاگیردار خوش ہوں۔ اس لیے ایسے لوگوں کی اتباع کے بجائے اس جماعت کی اتباع کرنی ہے کہ جو "ما أنا علیه و أصحابی" (وہ راستہ جس پر میں اور میرے صحابہؓ ہیں۔) کے کردار و عمل کی حامل ہے۔ یہی زوال سے نکلنے کا واحد راستہ ہے۔ کیوں کہ اس جماعت کے فیضِ تربیت کے نتیجے میں:

(۱) بُرے اَخلاق (لالچ، عہدہ پرستی وغیرہ) کا خاتمہ ہوتا ہے

(۲) اَخلاقِ حسنہ (عدل، سچائی، دیانت وغیرہ) پیدا ہوتے ہیں۔ قرآن حکیم نے ان لوگوں کو لیڈر بنانے اور ان کی اتباع کرنے سے منع فرمایا ہے، جن میں خوفِ خدا (اور اَخلاقِ حسنہ) نہ ہوں۔

اولیاء اللہ کا انسانیت دوست کردار: اولیاء اللہ کا کردار ہمیشہ انسانیت دوستی کا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب دِلّی میں آگ لگتی ہے تو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے اپنے تمام مریدوں کو آگ بجھانے بھیجا۔ کُل مال و متاع بھجوا کر بلاتفریق (رنگ، نسل، مذہب) تقسیم کرنے کا حکم دیا۔

تربیت و شعور کا حصول: "کونوا مع الصادقین" کا تقاضا یہ ہے کہ تربیت و شعور حاصل کیا جائے۔ کیوں کہ آج سامراج اپنے مفادات مذہبی جماعتوں کے ذریعے حاصل کرتا ہے، جس کو سمجھنے کے لیے شعور کا ہونا بے حد ضروری ہے۔ فرسودہ اور آلہ کار مذہبی طبقہ دینی سیاست کا انکار کرتا ہے اور مروّجہ سیاست کی اتباع کرتا ہے، جب کہ انقلاب تو قربانی دینے والی باشعور جماعت کے ذریعے آتا ہے۔ علم اور شعور لازم و ملزوم ہیں۔ کیوں کہ شعور کے بغیر علم بے وقعت ہے، مثلاً علمائے یہود۔

حضرت اقدسؒ نے مزید فرمایا: الحمدللہ! مجھے فخر ہے کہ گزشتہ ساٹھ سالوں سے بزرگوں کے تابع ہوں، لیکن آج بھی صحبت و تربیت کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

ہمارا لائحۂ عمل: آج سامراج مذہبی طبقے کو استعمال کرتا ہے، جب کہ ہم ..."بابوؤں' کو استعمال کرتے ہیں۔ (یعنی گریجویٹس کو شعور دے کر دین کا دست و بازو بناتے ہیں۔)

تزکیے کی اہمیت: جیسے کسان زمین کا تزکیہ (تیار) کرتا ہے، پھر بیج کاشت کرتا ہے، اسی طرح انسانی عمل کے نتائج بھی اسی وقت درست نکلتے ہیں، جب انسان کا تزکیہ ہوتا ہے۔

اللہ سے دعا ہے کہ ہم اہلِ ہدایت کے پیچھے چلیں، علمائے حق سے وابستہ رہیں اور بُری عادتوں سے نفرت کریں۔ (آمین!)

www.rahimia.org

Monthly RAHIMIA Lahore CPL No. 59

رفتارِ کار

رپورٹ: انیس احمد سجاد، لاہور

ادارہ رحیمیہ لاہور میں نمازِ فجر کے بعد درسِ قرآن حکیم کا آغاز

خانقاہی نظام میں بزرگوں کے ہاں یہ معمول رہا ہے کہ مجالس میں تربیتِ سالکین کے لیے کسی بڑے بزرگ کی کتاب یا مکتوبات وملفوظات وغیرہ کا مطالعہ کیا جاتا تھا، جب کہ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ والدِ بزرگوار حضرت شاہ عبدالرحیم دہلویؒ نے اپنی خاص مجالس قرآن حکیم کے ایک رکوع پر اجتماعی غور وفکر کرنا اپنا معمول بنایا۔ قرآن فہمی کے اعتبار سے ولی اللّٰہی اکابرین کی خدمات قابلِ تقلید ہیں۔ چناں چہ سلسلۂ عالیہ رحیمیہ رائے پور شریف کا بھی یہ امتیاز ہے کہ اس نے قرآنی علوم وافکار کی تعلیم وتربیت اور فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ قرآن فہمی کے اسی سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور شریف کے مسند نشین خامس حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ نے ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور میں روزانہ بعد از نمازِ فجر درسِ قرآن حکیم کے سلسلے کا آغاز فرمایا ہے، جس کا پہلا درسِ قرآن ۲۴ ربیع الثانی ۱۴۴۰ھ/ یکم جنوری 2019ء کو ہوا تھا۔ اس کے بعد سے ایک رکوع پر مشتمل درسِ قرآن روزانہ بالترتیب ہو رہا ہے۔ ولی اللّٰہی اسلوبِ تفسیر اور اکابر مفسرین کے تفسیری نکات کی روشنی میں حضرت اقدس مدظلہ قرآن حکیم کی تفسیر بیان فرماتے ہیں۔ اس درس میں الحمدللہ! روزانہ کثیر تعداد میں احباب شرکت فرماتے ہیں، جس میں قرآن حکیم ایسی عظیم کتاب سے سامعین کے دل منور اور اُن میں قرآنی علوم وافکار کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔ یاد رہے کہ حضرت اقدس آزاد رائے پوری مدظلہ کے درسِ قرآن کا یہ سلسلہ حضرت کے دورانِ اسفار بھی جاری رہتا ہے۔ حضرت اقدس جس جگہ بھی قیام فرما ہوتے ہیں، وہاں پر روزانہ بعد نمازِ فجر درسِ قرآن ارشاد فرماتے ہیں۔

اھم اعلان

ادارہ رحیمیہ لاہور میں تقریبِ تکمیل صحیح بخاری شریف

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور میں ہر سال دورۂ حدیث شریف کی کلاس ہوتی ہے۔ اس کلاس میں صحیح بخاری شریف کا درس ہوتا ہے۔ امسال حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ نے اس کتاب کا درس دیا ہے۔

سال کے اختتام پر ادارہ رحیمیہ لاہور میں ''صحیح بخاری شریف'' کی تقریبِ تکمیل

مؤرخہ: 7/اپریل 2019ء / ۷/رجب المرجب ۱۴۴۰ھ

بروز: اتوار بوقت: صبح 11 بجے

منعقد ہوگی۔ جس میں حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن، حضرت مولانا مفتی عبدالمتین نعمانی، حضرت مولانا مفتی عبدالقدیر مدظلہم (مجازین حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ) کے بیانات ہوں گے۔ نیز حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ صحیح بخاری شریف کی تکمیل کرائیں گے۔ تمام احباب سے اس بابرکت تقریب میں شرکت کے لیے التماس ہے۔

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

از حضرت مفتی عبدالقدیر شعبۂ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال دورِ حاضر میں بعض لکھاری ''خلافت میرے بعد تیس سال ہوگی، پھر سخت بادشاہت قائم ہوجائے گی۔'' سے استدلال کرتے ہوئے یہ نظریہ پیش کرتے ہیں کہ اسلامی خلافت صرف تیس سال چلی، اس کے بعد جاہلیت کا دور لوٹ آیا۔ کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو اس کا درست مفہوم کیا ہے؟ اور یہ نظریہ کیسا ہے؟

جواب اسلام دنیا میں بین الاقوامی نظامِ عدل وانصاف کا تقاضا کرتا ہے اور اپنا سیاسی غلبہ قائم کرنا چاہتا ہے۔ چناں چہ خلافت سے مراد حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے بہ قول ارتفاقِ رابع یعنی بین الاقوامی نظامِ حکومت ہے۔ قرآن حکیم کی آیت ''لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ'' کی روشنی میں مذکورہ حدیث صحیح ہے، مگر خلافت کی دو قسمیں ہیں: خلافتِ خاصہ یعنی خلافت علیٰ منہاج النبوۃ۔ حدیث میں خلافت سے مراد خلافتِ خاصہ ہے، جیسا کہ دوسری روایت سے یہ مفہوم متعین ہوجاتا ہے، جس میں خلافۃ النبوت کی تصریح ہے۔ آپؐ کے بعد تیس سال تک خلفائے راشدینؓ نے اس کو قائم کیا۔ باقی عمومی خلافت کی اس سے نفی مقصود نہیں، بلکہ دیگر صحیح روایات ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی دینی خلافت 12 خلفا تک رہے گی، جو سب کے سب قریش سے ہوں گے۔ (صحیح مسلم میں یہ روایت موجود ہے۔)

صحیح بخاری وغیرہ میں مشہور روایت ہے، جو حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: ''بنی اسرائیل کی سیاست ان کے انبیاؑ کرتے۔ جب ایک نبی فوت ہوجاتا، دوسرا نبی اس کی جگہ سیاست کی ادائیگی کا منصب سنبھال لیتا تھا، مگر میرے بعد اَور کوئی نبی نہیں آئے گا، بلکہ کثرت سے خلفا ہوں گے جو انبیائے بنی اسرائیل کی طرح ذمہ داری ادا کرتے رہیں گے۔'' صحابہؓ نے عرض کیا: تو آپ ہمیں کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ''ترتیب وار عہدِ بیعت کو پورا کرو، تم ان کو ان کا حق دو۔''

یہ احادیث صراحتاً رہنمائی کرتی ہیں کہ مطلق اسلامی خلافت صرف تیس سال تک رہنے کا نظریہ قرآن وسنت کی روشنی میں باطل ہے اور خلافت کا سلسلہ اسلام اور مسلمین کی حفاظت کا چار خلافتوں (خلافتِ راشدہ، خلافتِ بنواُمیہ، خلافتِ عباسیہ، خلافتِ عثمانیہ) تک جاری رہا۔ اس میں عادل غیر عادل، جامع شروط غیر جامع الشروط سبھی قسم کے خلفا آتے رہے۔ اب نئے دور کے تقاضوں کے مطابق امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے شارحین علمائے محققین نے دینِ حق کی تعلیمات کے غلبے کے لیے قومی جدوجہدِ آزادی کا راستہ واضح کیا ہے اور عدمِ تشدد کے اصول پر قومی جمہوریتوں کی اساس پر دین کے غلبے کے لیے تحریکات برپا کرنے کی ضرورت واضح کی ہے۔ اس طرح اس دور میں معروضی تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے دین کی حکومت قائم کرنا مسلمانوں پر فرض ہے۔

www.rahimia.org

مدیرِ اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع وناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ ''رحیمیہ'' رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ لاہور سے جاری کیا۔